QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN

Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے ناولوں کا کرداری مطالعہ

عبدالرحمن پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

پروفیسر ڈاکٹر محمد عباس شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

ABSTRACT:

The universe of a novel is constructed from life. This life consists of such moments of the characters which contain a delicate activity of feelings, a complex structure of emotions and the highest nature of thoughts. In this, we persuaded to embark on a journey along with the influence of our imagination, we also pursue various destinations and seek our numerous paths. This process occurs because of the characters, and their specific condition within a specific environment imparts a distinct state of mind or feeling to us. In this article, research has been conducted in this context to explore what kind of experience the characters of the novel from the first decade of the twenty-first century make us aware of both externally and internally in terms of appearance and meaning and what type of realistic or imaginative behaviors we adopt under their influence.

افسانوی ادب کی صنف "ناول" کی کائنات بڑی وسیع ہوتی ہے اور ہمیشہ وسعت پہ مائل رہتی ہے۔ اس میں زندگی کے بے شمار شب وروز زندہ وخوابیدہ ہوتے ہیں۔ اس کی کائنات میں جب ہم قدم رکھتے ہیں تو وجود اور روح کے سفر الگ الگ بھی ہو جاتے ہیں۔ اس کی پہنائیوں میں ایسے موڑ اور مقام اکثر آتے رہتے ہیں جب ہم اپنے احساسات، جذبات اور خیالات کے ان نامعلوم گوشوں کو بھی دیکھتے ہیں جو ہماری اصل زندگی میں ہمارے اذہان و قلوب کو شاید ہی اپنی پہچان کروا سکیں۔ ہم ناول میں عمل مسلسل کے بہت سے ایسے دائرے دیکھتے ہیں جن میں وقت کی ڈور تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم ایسی حالتوں اور کیفیتوں میں اکثر آ جاتے ہیں کہ بہت سی باطنی استطاعتوں، نسبتوں اور قوتوں کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں اور ناکردہ افعال کو حقیقی صورتوں میں تاثرات کے سلسلے بناتے دیکھتے ہیں، یعنی ہم خود بھی اس کا ایک حصہ ہو جاتے ہیں۔ یو ں ناول کے واقعات create ہوتے ہیں اور رجحانات وہ میلانات کے وقیع سرمائے تقسیم کرتے ہیں۔

ناول کی کائنات میں ہمارا سفر ہمیں خیالوں سے حقیقتوں تک بھی لے جاتا ہے اور حقیقتوں سے خیالوں تک بھی۔ اس میں خوشی و غمی کے وقتی تغیرات کے لیے جگہ ضرور ہوتی ہے لیکن جب ان کی اساسی نوعیتوں سے مانوسیت کا احساس دلایا جاتا ہے تو ان کا رشتہ ہر دور و دیار کے انسان سے جڑ جاتا ہے اور کوئی بھی حالت ذاتی ہو کر محض ذاتی نہیں رہتی بلکہ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN
Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اجتماعی منظر نامے روشن کرتی ہے، یعنی اس میں ہم ہماری طرح ہی کے کرداروں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کرداروں سے ہی اس کی کائنات کی پہچان ہوتی ہے۔ مجید بیدار کہتے ہیں:

"افسانوی ادب کی تمام تر کائنات، کرداروں ہی سے جانی پہچانی جاتی ہے۔" (1)

ناول کی کائنات میں قرار و جمود کے لمحے کرداروں کی وجہ سے گریز پا ہوتے ہیں۔ یہ اپنی اپنی فطرتوں میں نظر آتے ہیں اور اپنے وجود کا مسئلہ یا معاملہ کہانی کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے ظاہری و باطنی اوصاف اور قدرتی واکتسابی افعال میں تضاد و اتحاد ان کی کئی جہتیں نمایاں کراتے ہیں۔ چونکہ یہ خاص ماحول اور صورتحال سے یہاں تک آئے ہوتے ہیں یا ان میں کئی منزلوں تک کا سفر طے کر چکے ہوتے ہیں اس لیے انہیں الگ الگ تصور کیا جاتا ہے اور تخیل یا وجدان کا سہارا لے کر انہیں مخصوص چہرہ دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کسی بھی کردار کا وجودیا چہرہ اس کی اپنی کہانی سے احساسات وجذبات کی ایک خاص طرز حاصل کرتا ہے اور اپنی موجودگی کا جواز پیش کرتا ہے۔

افسانوی ادب میں ناول کی آمد زندگی کے ارتقاء ہی سے ممکن ہوئی۔ یہ افسانوی کردار کی اس پیش رفت کو ظاہر کرتی ہے جس میں نگاہیں خیالی لباس سے اصل وجود کی طرف ہوئیں۔ آگاہی کا یہ مرحلہ مختلف پہلوؤں سے شروع ہوا اور اس میں شعور اور حقیقت کی کرنیں مختلف حصوں کو touch کرتی رہیں۔ یہ یقیناً نئے طرز احساس کا نتیجہ تھا اور ساتھ ساتھ کردار کے اپنے وجود کی موجودگی کا اعلانیہ تھا۔ ڈاکٹر قیصرہ ناہید کے الفاظ ہیں:

"صنف ناول انسان کے نئے طرز احساس کی عطا اور انسانی existence کا بیان ہے۔"(2)

قدیم دور بھی رکا نہیں اور جدید دور بھی رکنے والا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نئے طرز احساس میں بھی ایک نئے طرز احساس کے اظہار کے اشارے ملتے رہتے ہیں اور انسانی وجود کے بیانات مختلف معنوں یا مختلف انداز سے سامنے آتے رہتے ہیں۔ یوں ہم روایتوں اور جدتوں کے رجحانات میں داخل ہوتے ہیں اور ادب کی دائمی زندگی کے قائل ہوتے ہیں۔ اردو ناول کی کائنات بھی ذکر شدہ حوالوں کی وجہ سے بہت اہم ہے اور اس میں موجود کردار بھی لامحدود خصوصیات کے حامل ہیں۔ اگر ہم اردو ناول کی کائنات میں داخل ہو جائیں اور ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا محمد ہادی رسوا، راشد الخیری، پریم چند، عزیز احمد، کرشن چندر، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، خدیجہ مستور، قرۃ العین حیدر، ممتاز مفتی، شوکت صدیقی، عبداللہ حسین، انتظار حسین، جمیلہ ہاشمی، رضیہ فصیح احمد، رحیم گل، بانو قدسیہ، مستنصر حسین تارڑ وغیرہ کے کرداروں کی زندگیوں میں شامل ہو جائیں تو یہ کردار ہمیں اپنے وقتوں میں بھی لے

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN

Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جاتے ہیں، تہذیبوں کا شعور بھی عطا کرتے ہیں اور ظاہر و باطن کے گورکھ دھندے بھی سلجھاتے ہیں۔ ہم یقیناً ان سے مختلف کیفیات وقت کے ساتھ ساتھ حاصل کرتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ تھمتا نہیں۔ بلا مبالغہ یوں بھی لگتا ہے کہ ماضی کے ان کرداروں سے ایک اجتماعی کردار تشکیل پا کر ہمارے چاروں اور موجود رہتا ہے اور اس ایک کردار میں موجود بہت سی آتمائیں ہمیں اپنے حصار میں بھی رکھتی ہیں اور اس سے آزادی بھی دلاتی ہیں۔ جب ہم ان کے حدود سے نکلتے ہیں تو اکیسویں صدی کے کرداروں کے حیرت کدے میں قدم رکھتے ہیں اور سلیم اور صائمہ جیسے کرداروں سے ملتے ہیں۔ ان چند کرداروں کے ساتھ گزرے لمحات سے حاصل شدہ تاثرات اگر تجزیہ کی صورت میں الگ الگ سامنے لائے جائیں تو اس حیرت کدے میں ہمارے بڑھتے قدموں کے ساتھ شعور کا رشتہ اور واضح اور بیدار ہو کر ان میں موجود بہت سے کرداروں سے ہمیں احساساتی، جذباتی یا تخیلاتی طور سے متعارف کرائے گا، اگرچہ ہم ان سے ملے بھی نہیں ہونگے۔

"بکھرے اوراق" کا مرکزی کردار سلیم۔

ناول "بکھرے اوراق" میں سلیم ایک خاص ماحول میں موجود ہوتا ہے اور یہ ماحول ہندوستان کی مسلم اقلیت اور ہندو اکثریت کی باہمی مناقشوں اور مسابقتی جدوجہد کا نقشہ ہے۔ اقلیت اور اکثریت دونوں نالاں ہیں اور ایک دوسرے سے خوفزدہ ہیں۔ کوئی ذہنی طور پر حملہ آور ہے تو کوئی عبادت گاہوں اور مجسموں پر حملہ آور ہے۔ بے یقینی کی ایک فضا ہے جس میں سلیم ہر وقت ہمارے سامنے رہتا ہے۔ وہ خوف، بے اعتمادی، لاتعلقی، شک اور تضاد سے پیدا شدہ پستی میں زندہ رہتا ہے اور اپنی بستی کے متعلق کچھ یوں لکھتا ہے:

"وہ ایک عجیب بستی تھی۔

عجیب ان معنوں میں نہیں کہ سورج وہاں پچھم سے نکلتا تھا اور پورب میں ڈوبتا تھا بلکہ ان امعنوں میں کہ اس بستی کا اور چھور آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یہاں کے لوگوں کے مزاج کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ جو آج ہنس کر مل رہا ہے، کوئی ضروری نہیں کہ کل وہ مسکرا کر بھی ملے، ہو سکتا ہے وہ ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالے، ہو سکتا ہے وہ پاس سے گزر جائے اور اس کی آنکھوں میں پہچان کی ایک رمق بھی پیدا نہ ہو، اور وہ بالکل اجنبی بن جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے انداز میں دوستانہ برتاؤ تو دور کی بات، دشمنی کے طور طریقے کی جھلک دکھائی دے۔"(3)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN
Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

وہ ایک کارخانے میں مزدور ہے اور صبح کام پر نکلتے وقت اس کا سفر محض زندگی کے شب و روز مکمل کرنا ہے اور ذہنی عفریتوں کا سامنا کرنا ہے۔ ایک دن جب اسے پڑوس کی تین منزلہ عمارت سے ایک لڑکا آئینہ دکھاتا ہے تو اس کی روشنی میں ہم اس کے ذہنی تناؤ کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، آئینہ دکھانا استعاراتی انداز لیے ہوئے ہے اور اس میں بہت کچھ پھیلا ہوا ہے، آئینے کے حدود سے بھی بڑھ کر۔ اسے سلیم اتنا بڑا واقعہ اس لیے مانتا ہے کیونکہ اس میں وہ اپنے وجود کو تاریخ کے بڑے بڑے ایوانوں اور میدانوں میں لے جاتا ہے اور ان سے واپس لمحہ موجود میں آجاتا ہے۔ اس آئینے کی روشنی میں وہ نظریں بھی شامل ہوتی ہیں جو اسے مجرم کے لباس میں دیکھتی ہیں۔ وہ مجرم نہیں لیکن جس اقلیت کے ساتھ اس کا تعلق ہے وہ مجرم ہے، چاہے وہ کسی بھی زماں و مکاں سے تعلق رکھے۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے:

"اب تاریخ میں کیا لکھا ہے، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔"(4)

سلیم کے کردار کو ناول کے جتنے بھی واقعات ہیں، اقلیتی اور اکثریتی گروہ کے جتنے بھی ظاہری و باطنی اقوال ہیں اور یا اس کی اپنی کہانی ہے ان سب سے ملنے والے بکھرے خیالات و تصورات یا محسوسات و جذبات سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جب اس پر آئینے کی روشنی پڑتی ہے تو یہ اپنے گروہ کے پاس جاتا ہے اور جذباتی تعاون اور مدد طلب کرتا ہے۔ اس سے مسلم اقلیتی گروہ متحرک ہو جاتا ہے اور ہم اس کے مختلف رویوں کو دیکھتے ہیں جو کبھی احتجاج اور بے زبانی کی طرف جاتے ہیں، کبھی ماضی اور حال سے تدابیر پاتے ہیں، کبھی اپنوں اور غیروں کے خلاف نظر آتے ہیں۔ سلیم ان رویوں کو دیکھتے دیکھتے ان میں حلول کر جاتا ہے اور اپنا الگ وجود رکھنے کے باوجود ان کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس دوران ہندو اکثریتی گروہ کا نصب کردہ مجسمہ توڑ دیا جاتا ہے اور ہم اس گروہ کی برپا محفلوں میں چلے جاتے ہیں جہاں انتقام کی آگ ہے، نفرت کے منصوبے ہیں اور اندیشوں کے سلسلے ہیں۔ یہاں سلیم کو بھی ہم اس کی غیر موجودگی میں دیکھ لیتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ساری باتیں اس کے متعلق ہیں۔ غرض یہ سب کچھ اس کے نہاں خانوں میں تحریر ہو رہا ہے اور بکھرے اوراق کا ایک پلندہ بنتا جا رہا ہے۔

ان بکھرے اوراق سے سلیم کی محبت یا نفرت چاہے جس صورت میں ہو وہ انہیں اپنے سینے سے لگائے رکھے گا اور ان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے گا۔ وہ اس ماحول میں موجود رہے گا، چاہے حالات کیسے ہی بنے، چاہے وقت کتنا ہی گزرے۔ مزید برآں یہ کردار ایسے ماحول میں موجود ہے جس میں ہم بھی موجود ہیں اس لیے ہم بہت سے واقعات اور بہت سی سوچیں اس میں شامل کرتے رہتے ہیں یا ان کی وجہ سے یہ بار بار ہمارے سامنے آتا ہے اور ہماری طرح ہی مختلف

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN

Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

رویوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ بلاشبہ ڈاکٹر سفینہ بیگم کے کہے الفاظ ہمیں اس کی بنیاد کی طرف واپس لے جاتے ہیں اور شاید ہم اس کے مزید رخ دیکھ لیں کیونکہ اس کے رویے زمان و مکاں سے تلازموں کے سلسلے بناتے ہیں:

" کردار مختلف رویوں کا مرکب ہوتا ہے۔"(5)

زوال سے پہلے کا نسائی کردار صائمہ:

ناول "زوال سے پہلے" میں صائمہ، شاہد کی یادوں کے ذریعے ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ یادوں کی ہنگامہ خیزیوں اور بھول بھلیوں میں نہ تو گم ہوتی ہے اور نہ ہی احساس کو فریب دیتی ہے ۔یہ شاہد کی یادوں میں جنم لے کر ان سے اپنے پورے وجود کے ساتھ اس طرح باہر قدم نکالتی ہے جس طرح کوئی پر حقیقت تصویر تخیلی لمحات میں کاغذ سے باہر آ جائے اور اپنے ارد گرد رنگ پھیلا جائے۔ جس طرح بعض اوقات ہم کسی کے اقوال و افعال بھلا کر محض اس کے وجود کو اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتے ہیں یا اسے اہم جانتے ہیں اسی طرح پورے قصے میں اس کا وجود ہی قابل توجہ ہے اور اس کی مرکزی شناخت کا حوالہ ہے۔ اگرچہ چند باتیں اس کردار سے متعلق وضاحتی پیرائے میں بیان ہوئی ہیں اور چند واقعات میں بھی اسے مرکزیت دی گئی ہے لیکن ہم اس کے وجود سے ہی شاہد کے ساتھ اس کے رومانوی منظر نامے کے نقوش دیکھ لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں شاہد کے حوالے سے اس کا مفاہمتی رد عمل اور محبت کا منضبط طرز عمل اسے بناوٹی نہیں بناتا بلکہ اپنائیت کا شعور دے کر کہانی میں شاہد کے ارتقائی مراحل دلچسپ بناتا ہے۔ اس کردار کا اپنا ارتقاء بھی مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے باوجود اس کے وجود کو تقسیم نہیں کرتا بلکہ فنی قوت و پختگی عطا کرتا ہے۔ شاہد کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھنا، اس کے جذباتی اشتراکی نظریات کے حوالے سے بے چینی محسوس کرنا اور اس کا اظہار کرنا، بظاہر طبقاتی فرق کی وجہ سے راہیں جدا ہونا اور ناگہانی موت واقع ہونا ان سب واقعات و حالات میں مجموعی طور پر ایسا فطری ربط ہے کہ نہ صرف اس کے کردار کو خلا میں معلق ہونے سے بچاتا ہے بلکہ مرکزی کردار کو بھی ایسے نشانات دیتا ہے جن پر قدم رکھ کر دونوں کے قدم ایک نہیں ہوتے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ایک ہی راہ پر دو اشخاص بیک وقت گامزن ہیں۔

کردار نگاری کے مباحث میں اگر جانبدارانہ مبالغہ آمیز رائے چھوڑ کر غیر جانبدارانہ تحقیقی رائے کو وقعت دی جائے تو باوجود کردار کے فنی و فکری لحاظ سے مضبوط و محفوظ ہونے کے یہ نکتہ مخالفت کا حامل نہیں ہو سکتا کہ کچھ کمی نہ ہونا کچھ ظاہری و خفی اشارے کنایے ضرور رکھتا ہے۔ اگر ایک کردار کل کی صورت میں بہت بہتر ہے تو ضروری نہیں کہ اجزائے ترکیبی میں نقص نہ ہو اور اجزائے ترکیبی میں عمدگی موجود ہونے کے کل کلی طور پر بے عیب ہو۔ صائمہ کا کردار

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN
Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

بھی اس حوالے سے زیر بحث اس آسکتا ہے۔ اس کا وجود اگرچہ ناولاتی کشش کا حامل ہے اور اس کے کردار کے ارتقائی مراحل فعال ہو کر ہمیں کردار کے حوالے سے بد احساسات سے محفوظ رکھتے ہیں لیکن یہ سلسلہ ایک حد کے بعد شعور کی سطح پر کچھ رکاوٹیں بھی لاتا ہے۔ شاہد کے جذباتی بیانات کے مقابل اس کے حقیقت پسندانہ مختصر بیانات ہمیں اس کے کمزور مکالماتی انداز پر یقین دلانے میں مدد دیتے ہیں اور ناول نگار جب اسے مرگی کا مرض دے کر اور آخر میں دماغ کے کینسر سے موت دے کر ناول سے رخصت کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول نگار نے اس کے قدموں کی رفتار دھیمی کر کے ختم کرنے کے بجائے بالکل روک لی ہے اور ہم خوشگوار حیرت سے دوچار نہیں ہوئے۔ مزید یہ کہ اس کی شخصیت کی محرومی بھی اسے المیاتی بنانے کے لیے کافی نہیں اور موت سے المیہ پیدا کرنے کی روایتی طرز بے سود رہی۔ ذرا صائمہ کے الفاظ پر غور کریں کہ وہ شاہد کو کس طرح اپنی ممکنہ موت کی خبر دیتی ہے:

> " میں ادھر کئی دنوں سے بیمار ہوں۔ کافی بیمار ہوں۔ ڈاکٹروں نے اچھی طرح سے جانچ پڑتال اور مختلف قسم کے ٹیسٹ کر کے یہ عندیہ دیا ہے کہ میرے دماغ میں کینسر ہے۔ ٹیومر کافی بڑا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ ایک مہلک بیماری ہے اس لیے میں نے سوچا کہ تمہیں بتادوں کہ میری زندگی نہ جانے کب مجھ سے روٹھ جائے۔ میں جانتی ہوں میرے اس دنیا سے جانے کے بعد تم بالکل اکیلے رہ جاؤ گے۔ ہجوم میں رہتے ہوئے بھی اکیلے۔
>
> اپنا خیال رکھنا۔ صائمہ "(6)

یہ مشکل ہے کہ ناول نگار اپنے بہترین تخلیق کردہ کردار کو ناول کے ہر موڑ اور مقام پر جامعیت وکاملیت عطا کرے لیکن اس کردار کی کششی قوت اسے اس پر مجبور نہیں کر سکتی کہ اسے بدترین بناوٹی رویوں سے منسوب کرے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یقیناً ناول نگار اور کردار کے درمیان رشتہ کمزور پڑ چکا ہے۔ صائمہ کے اعلان موت سے فطری پن بالکل غائب ہے اور اس انکشاف میں تشویش، محرومیت، حرمانصیبی اور محبت کی آمیزش خال خال نظر آتی ہے اور صرف ایک خبر ہے جس کا کمزور سا اثر ہے۔

جس طرح درج بالا کرداروں نے ہمیں تاثرات دیے اور ہماری سوچیں ترتیب دیں اسی طرح اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے کرداروں میں بہت سے ایسے کردار ہیں جو ہمیں کئی فکری اور جمالیاتی جوابات دیتے ہیں یا ایسے سوالات پیدا کرتے ہیں جو اس طرح کے جوابات کی طرف ہمیں لے جائیں۔ انہیں جب ہم ناول میں اپنے خاص رشتوں یا لہجوں کی

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES ISSN

Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

وجہ سے دیکھتے ہیں تو یا تو ہم ان کے معنوی نظاموں کی طرف مائل ہوتے ہیں یا ان کے وجودی جوازوں یا طرز موجودگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہی ہم انہیں اپنے تحقیقی شعور میں داخل کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ہمیں اصولی اندازے ملتے ہیں۔ یقیناً یہ آگے چل کر ناول کے فن کے حوالے سے روایتیں بنیں گی اور ناول کی کائنات تبدیلی سے ہمکنار ہو گی۔

حوالہ جات

1. مجید بیدار، ڈاکٹر، ناول اور متعلقات ناول، مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد، ستمبر 1989ء، ص 72
2. قیصرہ ناہید، ڈاکٹر، اردو ناول کی تاریخ، ایم- آر- پبلکیشنز، نئی دہلی، 2024ء، ص 13
3. عبدالصمد، بکھرے اوراق، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2010ء، ص7
4. ایضاً ص79
5. سفینہ بیگم، ڈاکٹر، اردو ناول، نظری و عملی تنقید، عرشیہ پبلیکیشنز، دہلی 2022ء، ص 35
6. شمیم منظر، زوال سے پہلے، میڈیا گرافکس، کراچی، جنوری 2008ء ص92